مصارف میں تقسیم کر دیا ہے' بلکہ ابھی اس کی تقسیم میں مصروف ہوں۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو مع کاشتکاروں کے سرکاری ملکیت قرار دے دوں اور اس کے کاشتکاروں پر خراج عائد کر دوں اور ان پر فی کس جزیہ مقرر کر دوں جسے وہ ادا کرتے رہیں۔ اس طرح یہ جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لئے (ایک مستقل) ''فَے'' کا کام کرے گا جس کی آمدنی میں فوجی' کم سن افراد اور آنے والی نسلیں حصہ دار ہوں گی۔ دیکھئے! ان سرحدوں کی حفاظت کے لئے بہرحال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستقلاً وہاں رہیں۔ یہ بڑے بڑے علاقے' جیسے شام' الجزیرہ' کوفہ' بصرہ' مصر' ان میں فوجی چھاؤنیاں قائم رکھنا اور ان کو وظائف دیتے رہنا ناگزیر ہے۔ اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشتکار تقسیم کر دیئے جائیں گے تو ان لوگوں کو کہاں سے دیا جائے گا؟''

یہ سن کر سب نے کہا:

''آپ ہی کی رائے صحیح ہے۔ آپ نے جو فرمایا وہ خوب ہے' اور جو رائے قائم کی وہ بہت موزوں ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں میں افواج نہیں رکھی جائیں گی اور ان کے لئے بطورِ تنخواہ کچھ مقرر نہ کیا جائے گا تو اہل کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے۔''

آخر میں آپؓ نے فرمایا: ''اب مجھ پر معاملہ واضح ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ کون ایسا ماہر اور دانش مند ہے جو اِن زمینوں کا مناسب طور پر بندوبست کر دے اور کاشت کاروں پر اُن کی برداشت کے مطابق خراج تجویز کر دے؟'' لوگوں نے بالاتفاق عثمان بن حُنیف کا نام پیش کیا اور کہا: ''آپ ان کو اس کام کا ذمہ دار بنا کر بھیج سکتے ہیں' کیونکہ یہ صاحب فہم و بصیرت اور تجربہ کار انسان ہیں۔'' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا تاخیر اُن کو علاقہ سواد کی پیمائش کے کام پر مقرر کر دیا۔''

(''کتاب الخراج'' ترجمہ: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی)

خلافت' ملوکیت اور جاگیرداری

گزشتہ مباحث کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) اگرچہ انفرادی سطح پر جو بلند ترین نصب العین اسلام انسان کو عطا کرتا ہے وہ رضائے الٰہی اور فلاحِ اُخروی کا حصول ہے' لیکن دنیا کی زندگی میں اجتماعی سطح پر اسلام کا بلند ترین مقصد یا ہدف' یا بالفاظِ دیگر نصب العین سماجی انصاف اور نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام ہے!

(۲) سماجی انصاف کے ضمن میں اگرچہ اصولی طور پر معاشرتی سطح پر اوّلین اہمیت کامل انسانی مساوات اور باہمی اخوت کو حاصل ہے' اور سیاسی سطح پر یہی حیثیت حریت اور قانونی و دستوری برابری کو حاصل ہے' لیکن موجودہ دنیا میں سماجی انصاف کا اوّلین تقاضا جس پر باقی تمام امور کا کلی دارومدار ہے' معاشی عدل اور کم از کم ''مواقع'' کے اعتبار سے کامل مساوات ہے!

(۳) اگرچہ عہد حاضر میں عالمی سطح پر تو معاشی ظلم اور استحصال کا سب سے بڑا ذریعہ سرمایہ دارانہ معیشت کا وہ عالمگیر نظام ہے جس کی اساس ''سرمایہ کے سود'' پر قائم ہے' لیکن پاکستان چونکہ بنیادی طور پر زرعی معیشت کا حامل ملک ہے' لہٰذا یہاں معاشی جبر و استبداد اور ظلم و استحصال کا سب سے بڑا مظہر ''زمین کے سود'' پر مبنی جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا نظام ہے جس کی بیخ کنی کے بغیر یہاں سماجی انصاف کا کوئی تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) دورِ خلافت راشدہ کا سیاسی نظام چونکہ اللہ کی حاکمیت کے تحت اس کے فرماں بردار بندوں کی ''اجتماعی خلافت'' کا نظام تھا جس کی اصل اساس عدل و قسط پر قائم تھی' لہٰذا اگرچہ اس کے دوران وہ نازک مرحلہ بھی آیا جس پر ذرا سی غفلت یا ڈھیل

سے تاریخ انسانی کے عظیم ترین جاگیردارانہ نظام کی بنیاد قائم ہو جاتی لیکن ع ''اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار!'' کے مصداق حضرت عمر فاروق ؓ کی اجتہادی بصیرت نے تمام مفتوحہ ممالک کی کل اراضی کو خراجی یعنی تمام مسلمانوں کی ''اجتماعی ملکیت'' قرار دے کر اس کا کامل سدّ باب کر دیا۔

لیکن افسوس کہ جیسے ہی خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا اور خلافت نے تدریجاً ملوکیت کی صورت اختیار کرنی شروع کی' اس معاملے میں بھی زوال کا آغاز ہو گیا اور جو دروازہ حضرت عمرؓ نے اپنی اجتہادی بصیرت اور بے مثال ہمت و جرأت سے بند کیا تھا' آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں جاگیرداری اور غیر حاضری زمینداری نے عالم اسلام میں قدم جمانے شروع کر دیئے۔

یہاں یہ عرض کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے کہ جاگیرداری اور ملوکیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے' اور یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ جیسے بعض حشرات الارض (مثلاً کنکھجورا) کے سینکڑوں پاؤں ہوتے ہیں ایسے ہی جاگیردار اور ''لینڈ لارڈز'' ملوکیت' شہنشاہیت اور ''امپیریلزم'' کے پاؤں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ غالباً اس سے بھی صحیح تر مثال برگد کے درخت کی اضافی جڑوں کی ہے کہ جیسے جیسے اس کا پھیلاؤ بڑھتا جاتا ہے اس کی شاخوں سے انسانی داڑھی کے سے انداز میں اضافی جڑیں نیچے اترنی شروع ہو جاتی ہیں جو زمین تک پہنچ کر اور اس میں قدم جما کر نہ صرف اضافی جڑوں کا کام دیتی ہیں جن سے زمین کی غذائیت درخت کو حاصل ہوتی ہے بلکہ ستونوں کی صورت اختیار کر کے اضافی سہارا بھی بن جاتی ہیں۔ بعینہٖ یہی معاملہ ملوکیت اور شہنشاہیت کا ہے کہ یہ جیسے جیسے پھلنی اور پھیلنی شروع ہوتی ہے اپنے وفاداروں اور خدمت گزاروں کو جاگیرداری کی مسندیں اور منصب عطا کر کے انہیں کاشتکاروں کے استحصال کے ذریعے اپنے اقتدار کے سہاروں کی حیثیت دے دیتی ہے۔

چنانچہ یہی حادثہ خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد عالم اسلام کو پیش آیا۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کا ایک قول مبارک امام احمدؒ' امام ترمذیؒ اور

امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ: ''خلافت تیس برس تک رہے گی' اس کے بعد ملوکیت کا آغاز ہو جائے گا۔''(۵) اور امام احمدؒ نے آنحضور ﷺ کی ایک اور حدیث جو حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت کی ہے' اس میں آپ ﷺ نے اس ملوکیت کے ساتھ ''کاٹ کھانے والی'' یعنی ظالم اور غاصب کی صفت کا اضافہ فرمایا ہے(۶)۔ تو اگرچہ تاریخ اسلام میں خلافت کے پورے طور پر ملوکیت میں تبدیل ہونے میں تو لگ بھگ ایک صدی کا عرصہ لگا' اس لئے کہ ملوکیت کے اصل ٹھاٹھ باٹھ پورے طور پر بنو عباسؓ کے دَور میں شروع ہوئے تاہم اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے آثار امیر معاویہؓ کے عہد حکومت ہی میں شروع ہو گئے تھے۔ جس کے نتیجے میں اسلام کی تعلیمات کے ایک حصّے پر پردے پڑنے کے اس عمل کا آغاز ہو گیا تھا جس کا تذکرہ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الٰہ آباد میں ان الفاظ میں کیا تھا کہ:

''میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ تقدیر مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی حصّے میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گی۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرے پر جو پردے عرب امپیریلزم کے دَور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کی اصل تعلیمات کی ایک عملی صورت دنیا کو دکھا سکیں!''

واضح رہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ اور خواہ اسے ؎

''مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو
کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا!''

کے مصداق ہی قرار دیا جائے' بہرحال میری سوچی سمجھی اور پختہ رائے یہ ہے کہ ان کی

---

۵) عن سعید بن جمهان قال حدثنی سفینة (رضی اللّٰه عنه) قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ((اَلْخِلَافَةُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ)) ثم قال لی سفینة: اَمْسِكْ خلافة ابی بکر' ثم قال: وخلافة عمر و خلافة عثمان' ثم قال: امسك خلافة علی' فوجدناها ثلاثین سنة .....رواه الترمذی فی الفتن' باب ماجاء فی الخلافة ورواه ابوداؤد فی السنة' باب فی الخلفاء۔

۶) حدیث کے الفاظ ہیں: ((.....ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا.....))

نیت پر شک کرنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر اپنے ایمان کو مشکوک بنانے کے مترادف ہے' اس لئے کہ اگرچہ وہ فتح مکّہ کے دن ایمان لائے تھے تاہم اس کے بعد پورے اڑھائی سال تک نہ صرف یہ کہ آنحضور ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے بلکہ ''کاتب وحی'' کی اہم اور نازک ذمہ داری تک کے اہل قرار پائے۔ بنابریں یہ گمان کہ ان کا تزکیۂ نفس اور تصحیح نیت نہیں ہو پائی تھی مزکیٔ اعظم ﷺ پر طعن کی حیثیت رکھتا ہے—— تاہم دوسری جانب اس حقیقت سے صرفِ نظر بھی نہ حقائق و واقعات کے اعتبار سے ممکن ہے' نہ نصوصِ حدیث نبوی ﷺ کی رو سے درست ہے' کہ ان کا دورِ حکومت دَورِ خلافتِ راشدہ میں شامل نہیں ہے۔ اور خواہ یہ خالص ''حالات کے جبر'' اور مصالح اُمت ہی کے تقاضوں کے تحت ہوا ہو' بہرحال واقعہ یہی ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے ایک حصّے کے پردے کے پیچھے چھپ جانے یا بالفاظِ دیگر اس سورج کو گہن لگ جانے کا عمل ان ہی کے دَورِ حکومت سے شروع ہو گیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے جسے امام بخاریؒ نے ''کتاب العلم'' میں روایت کیا ہے کہ:

''حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وِعَائَيْنِ ' فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِيْكُمْ ' وَاَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ''

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے (علم کے) دو برتن حاصل کئے۔ تو ان میں سے ایک کو تو میں نے تمہارے مابین خوب عام کر دیا ہے' لیکن اگر دوسرے کو عام کر دوں تو میری گردن کاٹ دی جائے گی!''

(واضح رہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا زیادہ سے زیادہ ۵۹ھ میں گویا حضرت معاویہؓ کی وفات سے ایک سال قبل ہو گئی تھی۔) تو اگرچہ اس قول میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ دو برتن کون سے ہیں' تاہم یہ بات بادنیٰ تامل سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جس علم کے عام کئے جانے سے کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا تھا لہٰذا اس کے عام کرنے والے کو بھی کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا' وہ تھا نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج' یعنی

عبادات کے مسائل یا نکاح وطلاق وغیرہ کے مسائل کا علم۔ اور جس علم سے مراعات یافتہ طبقات کے مفادات پر آنچ آ سکتی تھی' چنانچہ اس کے عام کرنے والے کی ذات کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا' وہ تھا نظامِ حکومت اور عمالِ حکومت' اور زمینداری اور جاگیرداری سے متعلق اصولی اور تفصیلی ہدایات کا علم!

قصہ مختصر' جیسے ہی عالم اسلام میں ملوکیت نے جڑیں جمانی شروع کیں جاگیرداری کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اور حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد چالیس سال کے دوران اس خباثت نے اپنی جڑیں جتنی کچھ پھیلا لی ہوں گی اس کا اندازہ ہرگز مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارک کے مطابق کہ:

((اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا))(۷)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس اُمت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے اولوالعزم لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو از سرِ نو تازہ کر دیں گے!''

پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی کے آغاز پر جو مجدّدِ اوّل (اور تا حال اعظم بھی' اس لئے کہ وہ واحد مجدّد تھے جو صاحب اختیار و اقتدار بھی تھے اور جن کے ذریعے صرف علمی و فکری تجدید اور عقائد و اخلاق کی اصلاح نہیں بلکہ نظامِ حکومت کی اصلاح ہوئی!) یعنی حضرت عمرؓ کی پوتی کے صاحبزادے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) ''مبعوث'' ہوئے' تو انہوں نے جہاں ایک جانب اپنی ''نامزدگی'' سے اظہارِ براءت کیا اور منصب حکومت صرف اس وقت اختیار کیا جب لوگوں نے کہا کہ ہم اپنی آزادانہ مرضی سے آپ کی خلافت قبول کرتے ہیں' وہاں دوسری جانب جو اہم ترین تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا وہ یہی تھا کہ جاگیروں کے وثیقے اور دستاویزات منگوا کر چاک کر دیں اور اس طرح کم از کم ایک بار تو پھر نظامِ اسلام کو ''زمین کے سود''

---

۷) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ۔ اخرجہ ابو داؤد فی الملاحم' باب ما یذکر فی قرن المائۃ' واسنادہ صحیح' ورواہ ایضاً الحاکم وصححہ ووافقہ الذھبی

سے پاک کر دیا۔

محترم صاحبزادہ عبدالرسول صاحب نے اپنی تالیف ''تاریخ اسلام'' میں اس سلسلہ میں ایک مکالمہ نقل کیا ہے کہ: ''یہ حالت دیکھ کر بنواُمیہ سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے ہشام (بن عبدالملک جو خود بھی چند سال بعد حکمران بنا) کو اپنا نمائندہ بنا کر آپؒ کے پاس بھیجا۔ اس نے آپؒ سے کہا کہ آپ اپنے عہد میں جو چاہیں کریں لیکن جو کام پچھلے خلفاء کر گئے ہیں انہیں اپنی حالت میں رہنے دیں۔ آپؒ نے جواب دیا کہ اگر ایک ہی معاملے میں تمہارے سامنے دو دستاویزات ہوں' ایک امیر معاویہؓ کی اور دوسری عبدالملک کی' تو تم کس پر عمل کرو گے؟ اس نے کہا قدیم دستاویز پر! اس پر آپؒ نے فرمایا کہ ''میرے پاس قدیم دستاویز کتاب اللہ ہے' میں اس پر عمل پیرا ہوں!''...اور ظاہر ہے کہ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا تھا جس کی رگوں میں' خواہ صرف والدہ ماجدہ ہی کی جانب سے سہی' کسی نہ کسی درجے میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خون بھی دوڑ رہا تھا!

تاہم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عہد خلافت ع ''خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود!'' کی مثال تھا۔ ان کو زہر دے کر شہید کرنے کے بعد' بنواُمیہ کے بقیہ تیس سالہ دورِ حکومت اور اس کے بعد دولت بنی عباسؒ کے دوران ''عرب امپیریلزم'' کے سائے میں جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا شجر خبیثہ خوب پھلا پھولا۔ اور اگرچہ فقہ اسلامی کے دونوں سلسلوں یعنی اصحابِ حدیث اور اصحابِ رائے و قیاس کے ''امامین اوّلین'' یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام دارالہجرت مالک بن انسؒ نے ''مزارعت'' کو حرام مطلق قرار دے کر اس شجرۂ خبیثہ کی جڑ پر بھرپور تیشہ چلایا اور کاری وار کیا' اور اس کے نتیجے میں قید و بند اور زدوکوب کی صعوبتیں برداشت کیں' لیکن جیسے جیسے ملوکیت اور جاگیرداری کی جڑیں زمین میں گہری اترتی گئیں حالات کے جبر اور ''نظریۂ ضرورت'' کے عمل دخل کا ظہور ہوا اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید قاضی ابویوسفؒ نے جہاں ''قاضی القضاۃ'' کا وہ عہدہ بھی قبول فرمالیا جس کو قبول کرنے سے ان کے مربّی اور استاذؒ نے سختی کے ساتھ انکار کر کے تشدد و تعذیب کو دعوت دی تھی' وہاں انہوں نے امام

صاحب کے دوسرے شاگرد امام محمدؒ کے اتفاقِ رائے کے ساتھ مزارعت پر کچھ شرائط عائد کر کے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ بھی دے دیا۔ بعد میں وہ شرائط تو طاقِ نسیاں کے حوالے ہو گئیں اور پورے عالم اسلام میں ''مزارعت'' شیر مادر کی مانند حلال وطیب ہو گئی اور اس طرح شہنشاہیت اور جاگیرداری کو دوام واستحکام حاصل ہو گیا! (کچھ ایسا ہی معاملہ فقہ اسلامی کی دوسری عظیم شاخ یعنی اصحاب حدیث کے ساتھ بھی پیش آیا۔ یعنی امام مالکؒ کے شاگرد امام شافعیؒ نے تو کھلے کھیت میں مزارعت کی حرمت کے فتوے کو برقرار رکھتے ہوئے صرف باغ کے تابع کھیت میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا' لیکن ان کے بعد امام احمدؒ اور امام بخاریؒ وغیرہم نے اسے بالعموم جائز قرار دے دیا! گویا ع ''متفق گردید رائے بوعلی با رائے من'' کے مصداق کم از کم جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے معاملے میں یہ دونوں متحارب سلسلہ ہائے فقہ متفق ہو گئے۔)

کچھ اسی قسم کا معاملہ بزورِ شمشیر فتح ہونے والے علاقوں کی اراضی کو ''بیت المال کی ملکیت'' میں برقرار رکھ کر ان سے حاصل شدہ خراج کو دفاع اور دیگر انتظامی ضروریات اور سب سے بڑھ کر عامۃ المسلمین اور عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لئے وقف رکھنے کی بجائے منظورِ نظر اشخاص وافراد کو جاگیروں کی صورت میں دے کر ان کی ذاتی ملکیت قرار دینے کے معاملے میں ہوا۔ جس کے لئے دلیل نبی اکرم ﷺ کے اس معاملے سے لائی گئی جو آپؐ نے ۷ھ میں فتح خیبر کے بعد وہاں کے یہودیوں کے ساتھ کیا تھا۔ حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اجتہاد اپنے دورِ خلافت میں کیا' وہ فتح خیبر کے کم وبیش دس سال بعد کا واقعہ ہے۔ اور جبکہ یہ معلوم ہے کہ ان کی رائے پر ردّوقدح اور بحث ونزاع کا بازار پوری طرح گرم رہا تھا' جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے' تو یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ جو حضرات مفتوحہ اراضی کو مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم کرنے کے حق میں تھے انہوں نے آنحضور ﷺ کے معاملۂ خیبر کو دلیل کے طور پر پیش نہ کیا ہو۔ اور اگرچہ ہمارے پاس اس ردّو قدح اور بحث ونزاع کا کوئی مفصل ریکارڈ محفوظ نہیں ہے' تاہم یہ بات تو اظہر من

الشمس ہے کہ اس دلیل کا ردّ یقیناً کسی زیادہ وزنی دلیل ہی سے کیا گیا ہوگا۔ ورنہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضور ﷺ کے انتقال کے صرف چند سال بعد دورِ خلافت راشدہ ہی میں آپ ﷺ کے طرزِ عمل کے برعکس معاملے پر اتفاق ہو جاتا۔ رہی یہ بات کہ وہ دلیل کیا تھی تو قرائن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد اسی امر واقعی پر ہوگی کہ خیبر کا معاملہ سود کی آخری اور قطعی حرمت والی آیات کے نزول سے لگ بھگ اڑھائی سال قبل کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حرمت ربا کے حکم نے جملہ مالی معاملات اور اقتصادی امور کے ضمن میں صورتِ حال کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ چنانچہ متعدد احادیث اس پر گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے مزارعت کے معاملے کو بھی ''ربا'' قرار دیا۔ اور چونکہ اِن آیاتِ مبارکہ کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ دُنیوی بہت مختصر رہی لہٰذا حرمتِ ربا کی زد کن کن معاملات پر پڑتی ہے اس کی پوری تفصیل صحابہ کرامؓ پر واضح نہیں ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''اِنَّ آخِرَ مَا نَزَلَتْ آیَةُ الرِّبَا' وَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُبِضَ وَ لَمْ یُفَسِّرْ هَا لَنَا' فَدَعُوا الرِّبَا وَ الرِّیْبَةَ''(۸)

''قرآن میں جو آیات بالکل آخر میں نازل ہوئیں ان میں آیت ربا بھی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا جب کہ ابھی آپ ﷺ نے اس آیت کی پوری تفسیر ہمیں نہیں سمجھائی تھی۔ پس نہ صرف ربا کو ترک کر دو' بلکہ جس معاملے میں ربا کا شک اور شائبہ بھی پیدا ہو جائے اسے بھی ترک کر دو!''

بہر حال یہ ہے وہ تاریخی پس منظر جس میں دورِ ملوکیت میں مرتب ہونے والی فقہ کے مالی اور معاشی مسائل میں ایک جانب بیع مؤجل اور بیع مرابحہ کے جواز کے راستے سے ''سرمایہ کا سود'' تو دبے پاؤں بالکل غیر محسوس انداز میں داخل ہو گیا' رہا ''زمین کا سود'' تو وہ تو حسب ذیل فتوے کی رو سے پورے دھڑلے کے ساتھ پورے عالم اسلام میں رائج ہو گیا کہ ''پس حکمران کو اختیار ہے کہ چاہے تو مفتوحہ اراضی کو مالِ غنیمت کے طور پر فاتحین میں تقسیم کر دے' جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے معاملے میں کیا تھا' یا

۸) عن سعید بن المسیب۔ رواہ ابن ماجه فی التجارات ' باب التغلیظ فی الربا' واسناده صحیح

چاہے تو وہ معاملہ کرے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوادِ عراق کے ضمن میں کیا تھا''۔ (المبسوط) اس لئے کہ اس فتوے کے ذریعے جاگیرداری جائز ہوگئی جس کا سارا دارومدار ہی مزارعت پر ہے' جو زمین کے ربا کی حیثیت رکھتی ہے۔

اوپر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا جو قول ''علم کے دو برتنوں'' کے ضمن میں نقل ہوا ہے اس کی حقیقت مزید اجاگر ہو جائے گی اگر یہ بات پیش نظر رہے کہ ایک مجلس کی تین یا تین سے بھی زائد طلاقوں کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ جو ایک رعایت اور نرمی فرمایا کرتے تھے اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلحت اُمت کے پیش نظر اپنے ایک اجتہادی فیصلہ سے ختم کر دیا تو اس پر تو اہل سنت کے چاروں مکاتب فقہ کا اس درجہ عزم بالجزم کے ساتھ اصرار ہے کہ کسی بھی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی رعایت کو دوبارہ جاری کرنے پر آمادہ نہیں ہیں' لیکن جاگیرداری اور زمینداری کے مسئلے میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد اور اس پر اُس وقت کے ''اجماع'' کو رد کر کے حضور ﷺ کے معاملۂ خیبر پر عمل کرنے کے اختیار کو حاکم وقت کے لئے تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ''اجماع'' کوئی خالص تصوراتی بلکہ وہمی شے نہیں ہے' بلکہ اس کا کوئی واقعی وجود ممکن ہے' تو وہ یا تو صرف دورِ خلافت راشدہ کا اجماع ہی ہو سکتا تھا جب پورا عالم اسلام ایک سیاسی وحدت تھا' یا پھر قیامت کے قریب اس وقت ممکن ہوگا جب آنحضور ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق تمام روئے ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النبوت یعنی اسلام کے ''جسٹ ورلڈ آرڈر'' کا نظام قائم ہو جائے گا۔

تاہم میری ان معروضات کو نہ مفتیانِ کرام کی توہین پر محمول کیا جائے' نہ فقہائے عظام کی تنقیص پر' بلکہ جیسے کہ سطورِ گزشتہ میں عرض کیا گیا تھا' مقصود صرف یہ ہے کہ ان مسائل پر بحث وگفتگو کا آغاز ہو۔ اور مصالح مرسلہ اور مفادِ عامہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے افہام وتفہیم کے ذریعے آئندہ کے لئے راہیں متعین کی جائیں۔

البتہ یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ اگر اُس دور میں جبکہ ابھی ملوکیت بھی جڑیں پکڑ ہی رہی تھی' اور ''کسرائے عرب'' یا ''کسرائے اسلام'' بھی ایک جلیل القدر صحابی

(حضرت معاویہؓ) تھے ایک دوسرے جلیل القدر صحابی (حضرت ابو ہریرہؓ) کو اپنی اس بشری کمزوری کے اعتراف میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل شدہ علم کے ایک برتن کا منہ جان کے خوف سے بند کر رکھا ہے' تو اس کے سو ڈیڑھ سو برس بعد جبکہ ملوکیت بھی اپنی پوری شان اور کروفر کے ساتھ جلوہ گر ہو چکی تھی' اور "قرونٌ مشهودٌ لها بالخير" (یعنی وہ ادوار جن کے خیر کے حامل ہونے کی گواہی خود آنحضور ﷺ نے دی ہے) کا زمانہ بھی بیت چکا تھا' علمائے اسلام اور فقہائے کرام کا حالات کے جبر سے متاثر ہو جانا ہرگز نہ بعید از قیاس ہے نہ ان کے لئے موجب توہین!

بہر حال جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کے ظالمانہ اور استحصالی نظام سے نجات پانے کی واحد شرعی راہ یہ ہے کہ شمشیر فاروقیؓ کو بے نیام کیا جائے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے مطابق (جس پر کم از کم اُس وقت اجماع بھی ہو گیا تھا) تمام مفتوحہ ممالک کی اراضی کو "خراجی" یعنی بیت المال یا مسلمانوں کی اجتماعی ملکیت قرار دیا جائے جو کسی کی انفرادی ملکیت میں ہیں ہی نہیں کہ وہ سارے مسائل پیدا ہوں جو سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ کے فاضل جج صاحبان نے اپنے فاضلانہ فیصلوں میں اٹھائے ہیں۔ بنا بریں اب تک مسلمان حکمرانوں یا غیر مسلم حاکموں نے جن جن لوگوں کو جاگیریں عطا کی تھیں ان سے جو استفادہ وہ اب تک کر چکے ہیں اس کو ﴿فَلَهُ مَا سَلَفَ﴾ (البقرہ: ۲۷۵) کا مصداق قرار دے کر (یعنی: جو گزر چکا وہ ان کو معاف ہے!) آئندہ ایک ایسے نئے بندوبست اراضی کا اہتمام کیا جائے جس سے سماجی انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوں' عوام کی عظیم اکثریت کی معاشی حالت بھی بہتر ہو' زمین کی پیداوار میں بھی اضافہ ہو' اور قوم اور ملک کو بھی استحکام حاصل ہو۔ اس ضمن میں دو باتیں مزید انشراح کا ذریعہ بن سکتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک جو ممالک خلافت عثمانیہ کے زیر نگیں تھے' ان میں یہی بندوبست اراضی رائج تھا کہ تمام اراضی سرکاری ملکیت میں تھیں اور کاشتکاری بھی "موروثی مزارعت" کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ ایک کاشتکار کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں کو از سر نو پروانۂ کاشتکاری حاصل کرنا ہوتا تھا۔